

قرنِ اول کا معاشی جائزہ

محمد صغیر حسن معصومی

ابتداء آفرینش سے نبوت و ہدایت کے علم بردار نوح بشر کی تعلیم و تربیت میں جدوجہد کرتے رہے۔ عہد بعہد کے افراد انسانی کی عقل و فہم کے مطابق احکام و ہدایات صادر ہوتے رہے۔ زندگی کے معاملات میں ہر طرح کی رہنمائی کی جاتی رہی۔ انسانی آبادی کی توسیع کے ساتھ انسانی معیشت میں بھی تنوع پیدا ہوتا گیا۔ انسانی تعلیمات کی تکمیل خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اور خدا کی طرف سے آخری نازل کردہ کتاب قرآن حکیم کی تعلیمات سے ہوئی اور دین و دنیا ہر دو جہان کی زندگی کے مفید و کارآمد اصول اور حدود بیان کر دیئے گئے۔

اسلام نے شرک کے قلع و قمع کے بعد زندگی میں اس کے ساسے بد اثرات کو مٹا دینے کا بیڑا اٹھایا۔ مشرکین کی روزمرہ کی زندگی میں طاغوتی شر و فساد کا دخل ناگزیر تھا۔ انسانی تخیل کے ماتحت طاقت و شر کے آگے سر جھکانے والا انسان کبھی عدل و مساوات، اخوت و بے نفسی، ایثار و قربانی، محبت و صداقت کا صحیح جذبہ نہیں رکھ سکتا۔ اور فخر و مباہات، بر بلندی و استحصال، ضد و خود غرضی کے آگے اخلاقِ فاضلہ کی طرف دھیان نہیں دے پاتا۔ اس کے آگے ہر وقت ایسی مثالیں موجود رہتی ہیں جن میں حق کے لئے قربانی اور جہاد و سزا کا مظاہرہ بلائے نام بھی نہیں ہوتا۔ پیغمبر اسلام نے توحید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی طور پر ایک خدا کے آگے سر جھکانے کا بیج وقتہ مظاہرہ کرنا سکھایا۔ مساوات و اخوت کی تعلیم دی۔ فخر و بر بلندی، استحصال و نفس پرستی کی برائیاں بیان کرتے رہے۔ دیکھتے دیکھتے ظلم و سفاکی کے خوگر عدل و محبت کے پیگیر بن گئے، کفر و اسلام کے درمیان اولین جنگ غزوہ بدر کے قیدیوں کو، عربوں اور قریشیوں کے معمول کے خلاف، معمولی شرائط کے ایفا کے بعد آزاد کر دیا گیا۔

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکہ + یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور
 آج سے پچاسوں برس پہلے اکبر الہ آبادی مرحوم بالکل بجا فرمائے تھے۔
 مشرق تو سردشمن کو کچل دیتے ہیں + مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

اقبال عمر بھر ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کا آوازہ بلند کرتے رہے مگر وائے افسوس کہ ہم میں آج تک
 یہ احساس پیدا نہ ہوا۔ ذاتی اغراض نفسانی خواہشات، علاقائی تعصبات، فرقہ وارانہ اختلافات اور
 مذہبی مناقشات نے ملت کی ردا کو تار تار کر رکھا ہے۔ وہ قوم جس کو عقیدہ توحید کے زیر اثر
 ”نبیان مرصوص“ (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) ہونا چاہیے تھا، وہ انتشار کا شکار ہو کر ریت کی دیوار
 ہے۔ اغیار اسے اپنی مٹھو کروں سے پامال کرتے ہیں اور وہ ذلت و سبکت کی زندگی پر قانع، ماضی
 سے بے خبر اور مستقبل سے بے پروا، اپنے حال میں مست ہے۔ اقبال نے کبھی آوازہ بلند کیا تھا۔
 ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے + نیل کے ساحل سے لے کر تاجخاک کا شاعر
 نیل کے ساحل پہ کیا گزری اور خاک کا شاعر کا انجام کیا ہوا؟
 نیل کا پانی مسلمانوں کے خون سے سرخ ہے اور کاشغر کی مٹی مسلمانوں کا مدفن ہے۔ یہ نتیجہ
 ہے حرم سے بے نیازی کا۔ کیا اقبال کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔

پاکستان نے اپنی مختصر مدتِ حیات میں بڑے بڑے نشیب و فراز دیکھے مگر ایسا نازک وقت
 پاکستان کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ ملت کا سفینہ گرداب میں بھینس کر ہچکولے کھا رہا
 ہے۔ ناخدا باہم دست و گریباں ہیں۔ اہل کشتی اپنے ہولناک انجام سے خائف عالم بے چارگی میں خدا
 کو پکار رہے ہیں۔ ان حالات میں دعا ان کا آخری سہارا ہے۔ رحمتِ باری سے امید ہے کہ جہاں اور
 سب تدبیریں ناکام ہو جائیں گی، وہاں دعا مستجاب ہوگی۔ پردہ غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوگا اور
 آگے بڑھ کر پتو اتھام لے گا۔ کشتی ساحلِ مراد سے جا لگے گی، اور سرسبز شکر بجالانے کے لئے
 من بحیب المضطر اذا دعاہ
 جھک جائیں گے۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت سے سارے جہان میں انقلاب برپا کرنے کی بنیاد رکھی، اخلاقی فضائل کو اپنانے اور اخلاقی رذائل سے عملی زندگی میں اجتناب و پرہیز کی تعین کی۔ صدیوں سے دلوں میں رچی ہوئی باتیں، عادات و اطوار، عقیدے اور رسم و رواج یکبارگی ناگہانی طور پر مزوک نہیں ہو سکتے تھے۔ شروع شروع میں اہل مکہ اور عرب کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور ان کے طریقِ کار سے سخت متعجب ہوئے۔ تعجب کے ساتھ ساتھ نفرت پیدا ہوئی اور پھر عداوت و دشمنی تک کی نوبت آگئی۔ مگر پیغمبرِ اسلام کی استقامت اور ان کے فرمان بردار اصحاب کی پامردی کو دیکھ کر طاقت ور و مالدار بھی آہستہ آہستہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ فطری امر ہے کہ جو جس قدر عادات و رسوم کا پابند ہوتا ہے اس کو اپنے عادات و اطوار کے بدلنے میں اسی قدر دقت و دشواری ہوتی ہے۔ مکہ کے باشندے جو تجارت کے خوگر تھے اور خانہ کعبہ کے محافظ، اپنے آپ کو سارے عرب کے قبائل پر فضیلت مانتے تھے۔ مذہبی تقدس کے ساتھ تہذیب و تمدن کے حامل بھی سمجھے جاتے تھے۔ ملک شام، حیرہ اور یمن کے سفر کرنے کی وجہ سے ان علاقوں میں رہائش پذیر تمدن اقوام کے عادات و اطوار اور طرزِ معاشرت سے آشنا تھے۔ قبیلہ قریش کے لوگوں نے ان ممالک کا سفر متواتر کرنے کی وجہ سے مختلف قبائل سے، جن کے علاقوں کے درمیان سے ان کا گزر ہوتا تھا، عہد و پیمانہ کر لیا تھا، جس کی طرف سورۃ القریش میں اللہ تعالیٰ نے "ایکان قریش" کی اصطلاح میں اشارہ کیا ہے۔ اور چونکہ عرب کے اکثر قبائل خود کو دینِ اہلِ ہی کا پیرو کہتے تھے، اس لئے ہر سال حج کے مہینے ذوالحجہ میں خانہ کعبہ کا قصد کرتے اور حج بیت اللہ کے بہانے اپنے بہت سے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ دور دور کے لوگوں سے ملتے اور مکہ کی زیارت کرتے۔ سورۃ مذکورہ میں خانہ کعبہ کی عبادت کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ کہ اس گھر کے پرموردگانے ان کو سبھوک سے بچایا اور رزق عطا کیا۔ اس سورۃ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ عربوں کا اولین قبلہ یہی خانہ کعبہ تھا۔ اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی کی طرف رخ کرتے تھے۔ اہل مکہ کی اقتصادی حالت کا ذکر ان دونوں آیتوں کے کلمات میں واضح ہے۔ یہ فطری امر ہے کہ ان میں بعض امیر کبیر تھے، دولت و ثروت کے مالک تھے، اور بہت سے ان کے حاشیہ بردار اور کارکن تھے، جن کی محنتوں اور خدمتوں

کی بدست انہیں آسائش کی زندگی حاصل تھی، اور ان کے انعام و اکرام، داد و دہش سے آس پاس کی وادیوں میں رہنے والے قبائل بھی فائدہ اٹھاتے تھے، جس کا اندازہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہو جاتا ہے، کہ شرفائے مکہ کے دوسرے بچوں کی طرح آپ کو بھی ابتدائی تربیت اور زبان دانی کے لئے چند سال بنی سعد میں حضرت حلیمہ سعدیہ کے زیرِ نگرانی رہنا پڑا تھا۔

بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ چراتے تھے۔ آپ کے ہم عمر لڑکے بھی اپنے اپنے گلے لئے ادھر سے ادھر گھومتے پھرتے۔ یہ آپس میں مل کر طرح طرح کے کھیل بھی کھیلا کرتے۔ مگر آپ کو ان کے کھیلوں سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں ہوئی۔ جوانی میں آپ اپنے چچا ابوطالب کی معاشی مدد کو اذین فرائض میں داخل سمجھتے تھے۔ دوسرے نوجوانوں کی کارکردگی سے متاثر ہو کر آپ کو بھی شوق ہوا کہ تجارت شروع کریں، سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے آپ متشکر تھے۔ اسی عالم میں بعض دوستوں اور خیر خواہوں کے کہنے سے آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال تجارت کو لے جانا منظور کیا۔ اس سفر میں آپ بصرہ گئے جو شام کی طرف تھا۔ یہاں آپ کو دوسرے تاجرانِ مکہ کی امیدوں کے خلاف زیادہ نفع حاصل ہوا۔ ایک دو سفر کے بعد آپ کی دیانت داری اور برکت و سعادت دیکھ کر حضرت خدیجہ آپ کی ایسی گرویدہ ہوئیں کہ عمر کے تقادس کے باوجود آپ کو اذین ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ام المومنین کی داد و دہش، حسن معاشرت اور فیاضانہ سلوک سے سارے مکے والے متاثر تھے۔ ان کی تجارتی سوجھ بوجھ، کاروباری دوراندیشی، نیز حسن معاشرت گو بے نظیر ہے۔ مگر اس زمانے میں مکہ کی دوسری بیگمات بھی تجارتی سرگرمیوں میں مردوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

دوسری مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی ہے جو اپنی ماں کا نقشِ ثانی تھیں اور اپنے زیورات تک بیچ کر اپنے شوہر ابوالعاصؓ کے تجارتی سرمائے میں شریک تھیں۔ ابوالعاص بھی معاملے کے صاف پکے اور دیانتدار تھے۔ اس لئے اکثر چھوٹے چھوٹے سرمایہ داران کے شریکِ کار ہو جاتے تھے۔ چنانچہ غزوہ بدر کی اسیری سے ربائی پانے پر حضرت زینب کو مدینہ منورہ بھیجنے کے بعد جب ابوالعاصؓ نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا، تو سب سے پہلے مکہ پہنچ کر تجارت کے منافع سمیت حصے لوگوں کے سپرد کر

دیئے، اور سب کے حسابات بے باقی کرنے کے بعد عازمِ مدینہ ہوئے اور ایمان لانے کا اعلان کیا۔

جہاں تجارت و صنعت عام پیشہ ہو، وہاں زندگی کے مختلف منازل کے خدو خال خود بخود واضح ہو جاتے ہیں۔ سرمایہ داروں کے ساتھ ان کے معاونین اور شرکاء کار، اور پھر مزدوروں کے جیتنے، کارندوں کی ٹولیاں، غرض معاشرتی زندگی کے درجہ بدرجہ طبقات کیوں کر وجود میں نہ آئیں۔ عیش اور فارغِ البالی ہو تو دوسرے لوازمات کا ہونا بھی یقینی ہے۔ آج جس طرح لوگوں سے بیکارگی جاتی ہے، اس زمانے میں بھی بے یار و مددگار لوگوں کو پکڑ کر غلام بنا لیا کرتے تھے۔ بعض قبائل کا کام ہی یہ تھا کہ تاخت و تاراج، لوٹ مار میں اپنی زندگی گزاریں۔ دوسرے ملک کی طرح عربوں میں بھی غلامی کا رواج تھا۔ اسلام نے غلاموں کے آزاد کرنے کو کارِ ثواب بتایا۔ نذر و کفارہ کی ادائیگی کے لئے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ پیغمبرِ اسلام نے نہ صرف غلاموں کو آزاد کیا، ان کو اپنے جیسا کھانا پکڑا دیا بلکہ ساتھ ہی غلامی کو ایک رشتہ بنا لیا۔ یہاں تک کہ غلاموں کو وراثت کا حق بھی دیا۔ چنانچہ تاریخِ اسلام میں آزاد کردہ غلام بڑے بڑے فاتح ہوئے۔ غلاموں کے خاندان حکمرانی سے سرفراز ہوئے۔ مصر و ہندوستان میں ان کی حکومت کے آثار آج بھی نمایاں ہیں۔

مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد مکے کے مسلمان حیران تھے کہ اس بے سرو سامانی کے عالم میں زندگی گزارنے کا کیا ذریعہ ہو گا۔ مدینہ میں لوگ زیادہ تر زراعت پیشہ تھے۔ ان کا معاشی نظام مختلف تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم کیا۔ اور بھائی بھائی بنا کر وقتی طور پر بے سرو سامان مہاجرین کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام کر دیا۔ انصار بڑی محبت سے پیش آئے۔ اپنے اپنے گھروں کے حصے بنا کر مہاجرین کو اختیار دیا کہ جس کو چاہیں پسند کر لیں۔ صرف یہی نہیں، جن کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں انہوں نے یہ بھی کہا کہ جس بیوی کو پسند کر لیں وہ ان سے طلاق دے کر الگ ہو جائیں گے، تاکہ ان کے مہاجر بھائی ان سے نکاح کر لیں۔ مہاجرین نے شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ درخواست کی کہ وہ یہ سب احسان اٹھانے کو تیار نہیں۔ انھیں تو صرف بازار اور منڈی کی

جگہیں دکھادیں، تاکہ کچھ اشیاء خرید و فروخت کر کے اپنا کاروبار سنبھالیں۔ چنانچہ ایک تلمیل عرصے میں مہاجرین نے اپنی معاشی حالت درست کرنی اور اپنے اپنے گھروں میں جا بسے۔

تجارتی کاروبار کے مختلف طریقے رائج تھے۔ اسلام نے 'ابتغوا من فضل اللہ' (اللہ کے فضل، رزق و مال تجارت کو حاصل کرو) سے تجارت کی ترغیب دی۔ اور اس کے اصول بیان کر دیئے۔

۱۔ معاملات تجارت میں جانبین کا تعاون ضروری ہے۔ تعاونوا علی البر والنہی ولا تعادوا علی الاثم والعدوان (مائدہ) یعنی بھلائی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور ظلم پر ہرگز کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔

۲۔ معاملہ میں جانبین کی حقیقی رضا ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ ایک شخص برضا و رغبت معاملہ کے لئے آمادہ نہیں ہے مگر اس کی مجبوری اس کی رضا کی قائم مقام بن گئی ہے۔ یا ایھا الذین امنوا لا تاكلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منکم (نساء)۔ اے ایمان والو، تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو غلط اور باطل طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت کی راہ سے باہمی رضامندی کے ساتھ معاملہ ہو۔

۳۔ معاملہ کرنے والے معاملہ کی اہلیت رکھتے ہوں۔ کم عقل، بچے نہ ہوں، نہ زبردستی کو دخل ہو۔

۴۔ معاملہ میں نہ دھوکا ہو نہ کسی قسم کی خیانت و معصیت۔

ان کے علاوہ تمام ایسے طریقے اسلام نے ممنوع قرار دیئے، جن میں

۱۔ افزودنی مال اور حصولِ نفع کا ایسا معاملہ ہو، جس میں باہمی تعاون یا رضامندی مفقود

ہو، اور ایک جانب کا فائدہ دوسری جانب کے یقینی نقصان پر مبنی ہو، مثلاً جو اُمیرا

لاٹری اور سٹہ کے تمام انواع و اقسام۔

۲۔ مالی نمو اور حصولِ نفع کا وہ معاملہ جس میں جانبین میں سے کسی ایک جانب کی حقیقی

رضانہ پائی جاتی ہو۔ مثلاً سود (بیاج) یا کسی اجیر کو اس کی محنت کے مقابلہ میں

غیر واجبی اجرت۔

۳۔ ایسا کاروبار جو اسلام کی نگاہ میں معصیت ہو۔ مثلاً شراب، مُرّار، منشیات، اصنام

دُبّت، خنزیر وغیرہ کی بیح و شرا، یا ان اشیاء کی خرید و فروخت جو اپنی ذات میں نجس اور ناپاک ہوں۔

۴۔ وہ معاملات جن میں جانین کی طرف سے عقد و معاملہ ہو جانے کے باوجود نزاع اور مناقشہ کی صورتیں باقی رہیں۔

۵۔ وہ معاملات جن میں دھوکا اور فریب مضمر ہو، یعنی شے بیح کا ذکر کسی وجہ سے نہ کیا گیا ہو، اور دوسری شے کے ضمن میں لے لیا گیا ہو۔ غرض سارے ایسے کاروبار ممنوع قرار دے دیئے گئے جن میں قمار کی صورت ہو یا سود کی۔ یا جن میں تعاون باہمی یا جانبی کی رضا کا وجود نہ ہو اور نزاع اور مناقشہ کی مذموم سرمایہ دارانہ سسٹم کی مدد و معاون شکلیں ہوں۔

تجارت کے علاوہ، صنعت و حرفت کی رغبت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برابر دلائی۔ حضرت خالد کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ انسان کے لئے کسب معاش کا کون سا ذریعہ بہتر ہے۔ فرمایا دست کاری (ابن ماجہ)۔ آپ نے، بننے، سینے، جوتیاں بنانے، برتن بنانے اور اسی قسم کے گھریلو سامان ضرورت کو خود تیار کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ عورتوں کو کاتنے کی ترغیب دی تو مردوں کو بننے کی تلقین کی، اور اسی طرح دست کاری سے روزی کمانے کو دنیوی فلاح بھی بتایا اور آخری شاد کامی کی بشارتوں سے بھی نوازا۔

اسلام نے تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کے ذرائع کو وسیع کیا۔ اور خلافت راشدہ نیز عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت میں عرب سے باہر ایران، شام، عراق، مصر اور روم میں تجارتی منڈیاں قائم کی گئیں۔ اسلام نے تجارت کے محصولات کے بارے میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے، اور درآمد و برآمد پر اس قسم کی پابندیاں نہیں عائد کیں جو اس مہذب دور کی حکومتوں نے استحصال بالجبر کے لئے روا رکھی ہیں۔ اسلام کا فیصلہ ہے کہ تجارت معاشی ذرائع میں سے ایک بہترین ذریعہ ہے۔ لہذا اس کو اپنے اور پرانے کافروں کے بغیر ٹیکوں اور محاصل سے معاف رکھا جائے، تاکہ خدا کی کائنات کے مختلف حصوں کی مخصوص اشیاء دیکھے اور محاصل میں آسانی کے ساتھ فراہم کی جاسکیں اور اس طرح ساری کائنات ایک برادری اور ایک

کنبہ ہی جائے۔

حضرت فاروقِ اعظم کے زمانہ میں جب عراق اور شام کے گورنروں نے یہ اطلاع دی کہ نصاریٰ اور یہود کے مالک میں جب مسلمان تاجر جاتے ہیں تو ان سے مالِ تجارت پر محصول لیا جاتا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا کہ جس حساب سے وہ ہمارے تاجروں سے محصول لیتے ہیں جب ہمارے ملکوں میں وہ مالِ تجارت لے کر آئیں تو اسی حساب سے ان سے بھی محصول لیا جائے اور اس کا اصطلاحی نام عشور رکھا گیا۔

حضرت عمر کا یہ فیصلہ تھا کہ ”ایک تاجر سے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ محصول لیا جائے“ خواہ وہ سال کے اندر متعدد بار مال درآمد و برآمد کرے۔ نیز پھلوں پر محصول معاف تھا۔

تجارتی کاروبار اور ہر طرح کے لین دین میں سکتہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آج کل کا نوٹ اسی کا قائم مقام ہے۔ کسی ملک کی اقتصادی ساکھ جبھی قائم رہ سکتی ہے کہ اس کے دارالضرب میں وہ دھات جو سکتہ کا معیار قرار دی گئی ہے اتنی مقدار میں موجود ہو جس مقدار میں اس کے مقابل نوٹ جاری کئے گئے ہیں۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں دارالضرب موجود تھا اور اس میں سکہ ڈھالے جاتے تھے۔ سونے چاندی کے قسم قسم کے سکہ رائج تھے، جو درہم و دینار کے نام سے موسوم تھے۔ سکہ عوام کی کاروباری زندگی کی سہولت کا ایک ذریعہ تھا اور دارالضرب نفعِ عوام کا ایک ادارہ تھا نہ کہ حکومت کا مخصوص شعبہ آمدنی۔

اسلام کے اقتصادی نظام میں شرح مبادلہ ”امام“ اور اس کی ”مجلس شوریٰ“ کی رائے پر موقوف ہے۔ وہ عام اقتصادی ترقی کے لئے جو صورت بھی مفید سمجھیں، اختیار کریں۔

محصولات یعنی کسٹم ڈیوٹی وغیرہ میں اسلام سختی کا قائل نہیں ہے اور خلافتِ راشدہ تک تجارت کو وسعت دینے کے لئے، کسی شرط و قید کے بغیر تجارت کی حمایت جاری رہی اور تجارتی

بدعنوانیوں کی دونوں بنیادی شکلوں (۱) احتکار (۲) اکتناز، یعنی ذخیرہ اندوزی اور زراعت اندوزی کو حرام و ممنوع قرار دیا گیا۔

احتکار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص غلہ وغیرہ کو بہت بڑی مقدار میں اس لئے خرید لے کہ بازار گراں ہو جائے، مہاجنوں کا وہ گروہ جو کاشت کاروں کو قرض کے نام سے سود پر روپیہ

دے کر ان کی کھائی کو غلہ کی شکل میں وصول کرتا ہے اور ان سے ارزاں نرخ پر خرید کر کھتیوں میں بھر رکھتا ہے، احتکار کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ احتکار میں سود، قمار یعنی جوئے اور سٹہ بازی، لاٹری اور دیس (گھوڑ دوڑ) جیسے معاملات شامل ہیں جو با اصول تجارت کے لئے تباہ کن اور معاشرت کے لئے تباہی کا پیش خیمہ ہیں۔ احتکار کی یہ شکلیں جب عام کاروبار پر مسلط ہو جاتی ہیں تو اکتناز، زرا اندوزی کی مذموم شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

آج کل بنک اور کوآپریٹو سوسائٹیاں، جو نہایت مفید و کارآمد سمجھی جاتی ہیں، سودی کاروبار کی وجہ سے عوام اور غرباء کے لئے، نہایت مضر اور تباہ کن اور سرمایہ داروں کے لئے مفید اور ضروری ہیں، اس لئے کہ وہ خوب صورت طریقوں سے، دولت کو دولت مندوں میں محدود کرتی ہیں۔ تہذیب نو کا یہ تجارتی جال، دراصل دورِ قدیم کی مہاجنی منڈیوں کے پورپار کی نہایت حسین اور دل فریب صورت ہے۔

امداد باہمی، اجتماعی زندگی کا اہم فریضہ ہے۔ اس کے بعض طریقے مثلاً تجارتی شعبہ میں مضاربت، معاوضہ وغیرہ اور زراعتی شعبہ میں مزارعت، معاملہ وغیرہ نہایت مفید ہیں۔ امداد باہمی کی پبلک انجمنوں اور سوسائٹیوں کے علاوہ اگر حکومت مفاد عامہ کی خاطر کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کرنا چاہے تو سود کی لعنت سے بچتے ہوئے، عام مفاد کے لئے ایک ایسا ٹیکس لگا سکتی ہے، جس کا اثر صرف سرمایہ داروں کے عیش و تنعم کی اشیاء پر پڑتا ہو۔ یا اسی قسم کی اشیاء کی درآمد و برآمد پر ایسا ٹیکس لگایا جائے جو اس قسم کی سوسائٹیوں کے چلانے اور ترقی دینے میں مدد و معاون ثابت ہو۔ اسلام نے انفاق کا حکم دیا ہے لیکن اسراف و تہذیر سے روکا ہے۔ ساتھ ہی زکوٰۃ و صدقات کا مصرف بیان کر دیا ہے تاکہ بیت المال کے مصارف صحیح طور سے عمل میں لائے جائیں۔ خلافت راشدہ میں مسلمانوں کا ہمیشہ ان احکام پر عمل رہا۔ بیت المال کے چار شعبے تھے۔ مالِ غنیمت کنز، رказ، خمس اور صدقات ایک شعبے میں، زکوٰۃ، عشر اور مسلمان تاجروں سے وصول شدہ عشر دوسرے شعبے میں خراج، جزیہ، غیر مسلم تجار سے وصول کردہ عشر، نئے زمین کا محصول، تیسرے شعبے میں۔ اور اموالِ فاضلہ یعنی لاوارث کا مال یا ترکہ وغیرہ چوتھے شعبے میں محفوظ رکھے جاتے تھے۔ بیت المال کے محاصل کا تعلق جس طرح قلمرد اسلامی کے مسلمانوں کی ضروریات و حاجات سے وابستہ

تھا۔ اسی طرح غیر مسلم (ذمی) کی حاجات و ضروریات سے بھی متعلق رہا۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ نے فقراء اور مساکین میں غیر مسلموں (ذمیوں) کو بھی شامل کیا ہے۔

بیت المال کے محاصل کو اہل مصرف پر خرچ کرنے کے لحاظ سے ”ادلی الامر کے اختیارات اس طرح منقسم ہیں کہ زکوٰۃ اور عشر جیسے محاصل کے لئے وہ صرف محافظ ہیں اور مخصوص اہل مصرف ہی پر خرچ کر سکتے ہیں اور نئے و خراج جیسے محاصل میں وہ اپنی رائے اور مجلس شوریٰ کے مشورہ سے خلافت کی مصلحتوں اور مستحقین کی حاجتوں پر خرچ کر سکتے ہیں۔

ایام خلافت میں مجاہدین و عمال کے وظائف مقرر کر دیئے گئے تھے، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اپنے اپنے دور خلافت میں، مساکلِ دین کی تعلیم اور تبلیغِ اسلام کی خدمات کے لئے بھی وظائف مقرر فرمائے اور مبلغین و معلمین نیز ائمہ اور طلباء کے لئے عطایا اور وظائف مقرر تھے۔ فقراء، مساکین اور دوسرے اہل حاجات کے بارے میں عہد خلافت نے بغیر کسی تفریق کے، وظائف معاشی کا سلسلہ قائم کیا ہے اور کسی ایک ذمی کو بھی محروم المعیشت رکھنا جائز نہیں سمجھا۔

حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے گئے جو کچھ موجود تھا اس کو دیا اور بیت المال کے خرچہ کی پاس فرماں بھیجا کہ یہ اور اسی قسم کے دوسرے حاجت مندوں کا پتا چلائیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ایسے تمام لوگوں کا نہ صرف جزیہ معاف کر دیا بلکہ ان کا وظیفہ بھی بیت المال سے مقرر کر دیا۔

اسلام کے معاشی نظریئے عملی اور تجرباتی زندگی میں تمام معاشی نظریات سے زیادہ بلند اور کامیاب ثابت ہوئے۔ لیکن مسلم حکمرانوں نے اپنی ذاتی حکمرانی کے لالچ میں اس بہترین نظام کو خود اپنے ہاتھوں برباد کر ڈالا۔ کیونکہ وہ یہ برداشت نہ کر سکے کہ خلافت فقط نیابت قانون الہی ہو اور وہ ذاتی حکمرانی اور شخصی صولت و حکومت نہ بنے۔ اسلام کے نظام حکومت میں خلیفہ کی شخصیت نمایاں ہے، مگر ذاتی اور پارٹی کے اقتدار کی خاطر نہیں بلکہ قلمرو خلافت کے ہر فرد کی خدمت کے لئے۔ بلاشبہ اس میں جمہوریت کا عنصر روشن ہے لیکن جمہور کے حقوق کی حفاظت کے لئے، نہ کہ وضع قوانین و طرز حکومت میں مخالف و موافق جماعت قائم کرنے اور اقلیت و اکثریت کی بحث جاری رکھنے کے لئے، خلافت ایسا روشن نظام ہے جس میں عدل و انصاف

کی یکسانیت اور افرادِ اُمت کی خدمت اصل بنیادِ اساس ہے۔ وہ ایک ایسا اجتماعی نظام ہے جس میں خلیفہ راہِ حق کا رہنما بھی ہے اور خلق کا خادم بھی۔ غرض —:

” اسلام کے نظامِ حکومت میں نہ مذموم سرمایہ داری کا گنہ ہو سکتا ہے اور نہ طبقاتی جنگ کا امکان ہے۔ اس کا معاشی نظام نہ افراد کے انفرادی حقوق کو سلب کر کے تعطل و جمود پیدا کرتا ہے اور نہ افراد کو جماعتی زندگی سے کاٹ کر بالکل آزاد چھوڑتا ہے۔ بلاشبہ اسلام کا معاشی نظام نفع اندوزی کی بنیادوں پر نہیں، بلکہ انسانوں کی حاجت روائی کی اساس پر قائم ہے۔ اس کی معیشت کا دستہ خوان فاتح و مفتوح، آزاد و غلام، اسود و احمر اور مسلم و کافر سب کے لئے وسیع ہے۔ وہ زیر دستوں پر اربابِ قوت کو مسلط نہیں ہونے دیتا اور اربابِ دولت کو حصولِ دولت میں اس طرح آزاد نہیں چھوڑتا کہ وہ غریبوں کو اپنا آلہ کار بنا لیں۔ وہ سب کو بخشتا ہے اور کسی کو محروم نہیں کرتا۔ وہ مزدور و کاشت کار ہی نہیں بلکہ ہر زیر دست کو بلند کرتا ہے اور جماعت کے افراد کے درمیان اخوتِ عامہ اور عالم گیر مواسات کا رشتہ قائم کرتا ہے۔“

